جزا و سزا: قرآنی تناظر اور انسانی رویوں کا موازنہ

جب جزا و سزا کے طویل مدتی نقصانات پر بحث کی جاتی ہے، تو لوگ اکثر ایک اہم اعتراض اٹھاتے ہیں: "اگر جزا و سزا کے واقعی منفی اثرات ہوتے، تو خدا قرآن میں برائی سے ڈرانے اور نیک اعمال کی ترغیب دینے کے لیے انہیں کیوں استعمال کرتا؟"

یہ ایک جائز سوال ہے۔ اس مضمون میں ہمارا مقصدیہ واضح کرنا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کا جو تذکرہ فرمایا ہے، وہ اس طریقے سے بنیادی طور پر مختلف ہے جس طرح والدین، اساتذہ یا بڑے اکثر بچوں کے ساتھ یہ طریقے اختیار کرتے ہیں۔

نتائج بمقابلہ کنٹرول

گھروں، اسکولوں یا کام کی جگہوں پر، انعام اور سزا کو عام طور پر رویے میں تبدیلی لانے والے معاون طریقے (behavior modification tools) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ والدین اور اساتذہ چاہتے ہیں کہ بچے فوری طور پر ان کے بتائے ہوئے طور طریقوں پر عمل کرنا شروع کر دیں، اس لیے وہ فرمانبرداری کو یقینی بنانے کے لیے انعامات اور سزاؤں کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ طریقے اصلاحی نوعیت کے ہوتے ہیں: "یہ کرو ورنہ..."، یا "ایسا رویہ اپناؤ تو تمہیں یہ ملے گا..."۔

اس کے برعکس، قرآن جنت اور دوزخ کو قلیل مدتی یا عارضی رویوں کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں انسان کے اپنے انتخاب اور زندگی کے رخ کے متوقع فطری نتائج کے طور پر دکھاتا ہے۔ جس طرح آگ چھونے والے کو جلا

دیتی ہے، اسی طرح بددیانتی، تکبر یا ظلم کا فطری نتیجہ تباہی ہے، جبکہ عاجزی، دیانت اور ہمدردی قدرتی طور پر سکون اور تکمیل کا باعث بنتی ہیں۔

خدا انسانی رویوں میں اپنی مرضی کے مطابق "رد و بدل" (manipulating) نہیں کر رہا، بلکہ وہ ہمارے اعمال اور ہم جو راستہ اپناتے ہیں ان کی حقیقت اور ان کے حتمی انجام کو آشکار کر رہا ہے۔

کسی کی موجودگی کا طرزِ عمل پر فرق

انسانی جزا و سزا کا دارومدار کسی مقتدر قوت کی موجودگی پر ہوتا ہے۔ ایک بچہ اس لیے اچھا برتاؤ کرتا ہے کیونکہ والدین دیکھ رہے ہوتے ہیں؛ ایک طالب علم اس لیے پڑھتا ہے کیونکہ استاد نمبر دے رہا ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ اتھارٹی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے، اکثر تحریک (motivation) بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی دیکھنے والا ہی نہ ہو، تو پھر انسان سوچتا ہے کہ خود پر قابو پانے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟

تاہم، احتسابِ الٰہی اس محدودیت سے ماورا ہے۔ اہل ایمان یہ سمجھتے ہیں کہ **خدا ہمیشہ باخبر ہے**—کسی ایسے سخت گیر نگران کے طور پر نہیں جو سزا دینے کا منتظر ہو، بلکہ اس ہستی کے طور پر جو ہماری نیتوں، جدوجہد اور داخلی کیفیات کو پوری طرح سمجھتی ہے۔یہی احساس، تنہائی میں بھی اخلاقی انتخاب کو معنی خیز بناتا ہے۔

ایک طالب علم، نگران (invigilator) کی نظر ہٹتے ہی نقل کر سکتا ہے کیونکہ قواعد نافذ کرنے والی اتھارٹی وہاں موجود نہیں ہوتی۔ لیکن ایک مومن تنہائی میں بھی بددیانتی سے باز رہتا ہے کیونکہ اس کا کردار انسانی نگرانی کے بجائے خدا کے ہمہ وقت علم سے جڑا ہوتا ہے۔

محض رویے سے کردار کی بلندی تک

جب انسان جزا و سزا کا استعمال کرتے ہیں، تو بچے اکثر یہ سبق نہیں سیکھتے کہ "جھوٹ بولنا غلط ہے" بلکہ "پکڑے جانے کی صورت میں جھوٹ بولنا خطرناک ہے"۔ توجہ بیرونی نتائج پر ہی مرکوز رہتی ہے۔

لیکن قرآن سچائی سے ایک اندرونی ہم آہنگی کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ جزا کا وعدہ اور سزا کی تنبیہ "ہمارے اندر استقامت کے ساتھ دیانتداری" (integrity) کو اجاگر کرتی ہے—یعنی ذاتی قربانی دے کر بھی صحیح کام کرنا، اور برائی سے بچنا چاہے اسے کوئی بھی نہ جان سکے۔ خدا کا انصاف محض ظاہری اعمال کو نہیں بلکہ نیتوں، حالات، جدوجہد اور اخلاص کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔

تربیت اور تعلیم پر اثرات

یہ فرق بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے انداز پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اگر ہم بچوں کو صرف والدین کی منظوری یا اساتذہ کی نگرانی کا محتاج بنا دیں گے، تو وہ صرف اسی وقت تک ٹھیک رہیں گے جب تک انہیں دیکھا جا رہا ہو۔ لیکن اگر ہم ان میں "تقویٰ یا آگہیِ خدا"—یعنی یہ احساس کہ دیانت اس لیے اہم ہے کیونکہ خدا دلوں کے بھید جانتا ہے، پیدا کریں، تو ہم ایسے افراد تیار کرتے ہیں جو محض دباؤ کے بجائے اصولوں کی بنیاد پر ذمہ دارانہ عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ بچوں کی توجہ **والدین کے احساس** سے منتقل کر کے **خدا کے احساس** کی طرف موڑ دی جائے: وہ ہماری طرف سے جزا پانے یا سزا سے بچنے کے لیے نہیں، بلکہ اس ہستی کی موجودگی میں سچائی کے ساتھ جینے کے لیے عمل کریں جو ہمیشہ دیکھ رہی ہے۔

حاصلِ کلام: ایک بلند معیار

جب والدین اور اساتذہ جزا و سزا پر انحصار کرتے ہیں، تو وہ اکثر بچوں کو بیرونی منظوری کا طالب بنا کر ان کی دیانتداری کو کمزور کر دیتے ہیں۔ اس سے یقین کے بجائے محض اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ تاہم، قرآن ہمیں ایک بلند تر معیار کی دعوت دیتا ہے: اخلاص کے ساتھ عمل کرنا، اپنی داخلی زندگی کو سچائی کے مطابق ڈھالنا، اور نتائج کو مصنوعی پابندیوں کے بجائے فطری ثمرات کے طور پر قبول کرنا۔

اس طرح، خدائی تعلیمات ہمیں دنیاوی داد و تحسین کے سہارے سے آزاد کر کے خدا کے حضور استقامت عطا کرتی ہیں، جہاں دیانت، اخلاص اور اصول ہی نیکی کے حقیقی محرک بن جاتے ہیں۔